

حق اور باطل

نعیم صدیقی

(۲)

دوسرا سوال

دوسرا سوال جو اسلام کے نظام مصالح کے قیل مدت تک چلنے کے بارے میں اٹھایا جاتا ہے اور جس کے اندر دراصل یہ استدلال چھپا ہوا ہے کہ جب ایک نظام اپنے آپ کو زیادہ دیر تک زندہ رکھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا تو آخر اس کے لئے بیش بہا قربانیاں کیوں دی جائیں اور اس کے بجائے کیوں نہ کسی دوسرے نظام کو اختیار کر لیا جائے۔۔۔۔۔ اپنے جواب میں متعدد ضروری تصریحات چاہتا ہے۔ ہم ان تصریحات کو نمبر ۱۱ درج کرتے ہیں :-

اول :-

اگر کسی اصول یا نظام کو قبول کرنے اور اسے عملاً برپا کرنے کی جدوجہد میں مشرک ہونے کے لئے شرط اول یہ ہوتی کہ اس کا ماضی میں دیر تک چلنا ثابت کر دیا جائے تو شاید نہ دین جمہوریت کو کوئی کارکن ملتا اور نہ دین اشتراکیت کو۔ ان دونوں نظاموں میں سے کسی ایک کو بھی ماضی کی تاریخ میں قدم جمانے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن ان کے علمبرداروں نے اپنے لئے صرف یہ بات کافی سمجھی کہ ان کا عقلی اطمینان ہو جائے۔ جب ان کے دلوں نے یہ گواہی دی کہ یہ اصول و نظام برحق ہے اور فادیت اسی میں ہے تو پھر انہوں نے ماضی کے لئے باری لگا دی۔ وہ احمق ہوتے۔ اگر عقلی اطمینان کے بعد اور دل کے ٹھک جانے کے بعد پھر یہ سوچنے بیٹھ جاتے کہ جب پہلے ہزاروں انسانی نسلیں گزر گئیں اور کسی کو اس اصول و نظام کو قائم کرنے کی ہمت نہ ہوئی تو آج ہم یہ حرکت کس امید پر کرنے لگے ہیں ؟

ان دونوں رائج اوقات نظاموں کے بخلاف اسلامی نظام کے علمبرداروں کے لئے تو عملی تحریک کا دوسرا

سامان موجود ہے۔ وہ اپنے لئے عقلی امتیاز کے پورے وجوہ بھی اسلام میں پاتے ہیں، اور پھر وہ تاریخ سے یہ ثابت بھی پاتے ہیں کہ یہ نظام پہلے ہی قائم رہا ہے اور اپنی معیاری شکل میں تیس سال تک ماضی قریب میں چل چکا ہے، جب کہ وسائل تمدن موجودہ دور سے بہت کم تھے۔

تجربہ ہے کہ جن نظاموں کا کوئی ماضی نہ تھا انہیں جب کارکن مل گئے تو وہ نہ صرف قائم ہوئے بلکہ ساری دنیا پر ان کے اثرات پھیل گئے، لیکن جس نظام کا ایک مضبوط ماضی موجود ہے اس کے کارکن تذبذب میں مبتلا رہیں۔

دوم :-

یہ سمجھنا کہ اسلام دنیا میں صرف ایک بار برپا ہوا اور وہ بھی تیس سال کے لئے، قرآن اور تاریخ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے اپنی ذریت کے اندر اسلامی نظام کو قائم کیا، پھر یوسف علیہ السلام کے ذریعے یہ مصر میں قائم ہوا اور دبر تک اس کے اثرات قائم رہے، پھر سلیمان علیہ السلام نے اسے برپا کیا اور ایک مدت تک اسے بڑی وسعتوں کے ساتھ چلایا۔ اور نہ معلوم تاریخ کے مختلف ادوار میں اور کون کون سے انبیاء و صلحا کس کس خطے میں ایسے گزرے ہوں گے جنہوں نے اسی نظام کو بار بار برپا کیا ہوگا (قرآن میں صرف ان اقوام کے انبیا اور ان ملکوں کی دینی تاریخ کا تذکرہ ہے جس سے عرب براہ راست متعارف تھے) پھر انہیں نبی صلعم کے ذریعے یہی نظام حق اپنی معیاری شان کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ اس پر نہ معلوم لوگ کیسے کہہ دیتے ہیں کہ اسلامی نظام دنیا میں صرف تیس سال چل کے ختم ہو گیا۔ اسلامی نظام تو بار بار اپنے آپ کو دوبار تاجلا آ رہا ہے! بخلاف اس کے کوئی غیر اسلامی نظام ایسا نہیں جو سٹ سٹ کر پھر قائم ہوا ہو۔

سوم :-

صرف تیس سال کا وہ مفہوم بھی غلط ہے جو معترض حضرات لیتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے ساتھ اسلامی نظام بھی بالکل شہید ہو گیا اور اس کی پوری عمارت پیوند زہاں ہو گئی۔ حالانکہ واقعہ یہ نہیں، اصل صورت حالات جو کچھ تھی وہ یہ تھی کہ پورے اسلامی نظام میں سے ایک اصول انتخاب ساقط کر دیا گیا، باقی سب کچھ جوں کا توں رہا۔ قانون وہی تھا، اقامت عبادات کا نظم وہی تھا، جہاد فی سبیل اللہ کی سرگرمیاں

اسی طرح رہیں، معاشرتی نظم و ہی رہا، عوامی اخلاق کی حالت ویسی ہی تھی، نظام تعلیم اسی طرت تھا۔ بلاشبہ معیاری نظام کو جب ہم سامنے رکھتے ہیں تو اصولاً ہم ہی اسے قائم کرتے ہیں کہ نظام بدل گیا، لیکن یہ تبدیلی کئی نہ تھی، بلکہ بگاڑنے اس قلعے میں گھسنے کا ایک چور دروازہ بنالیا تھا۔ یہ تبدیلی بہت ہی تدریجی طریق سے واقع ہوئی۔ ایک عمارت میں سے آہستہ آہستہ ایک ایک اینٹ بدلی جاتی رہی اور بہت دیر کے بعد جا کر اس عمارت کا بیشتر حصہ متغیر ہوا۔

اصل میں سارا بگاڑ شاہی محل اور دربار خلافت کے اندر پایا ہوا سین عوامی زندگی بہ حیثیت مجموعی اسی مصالح نقشے پر استوار رہی جسے دور سعادت میں جمادیا گیا تھا۔ یہ حالت سات آٹھ سو سال تک جاری رہی۔ بالکل آخری دو چار صدیاں ایسی تھیں جب کہ عوام میں اخلاقی انحطاط پھیلا، معیشت و معاشرت میں مفاسد گھسے اور سوسائٹی اسلامی بنیادوں سے اکھڑنے لگی، اور انھی صدیوں میں امت کا سفینہ زوال کی موجوں کا شکار ہوا جب تک نظام حق کی اصل قدریں زندگی میں غالب رہیں مسلمان ترقی کرتے گئے، اگرچہ ان کے مصلحت و امر ابگڑتے چلے جا رہے تھے، لیکن جب نظام حق کی قدریں کمزور پڑ گئیں تو پھر زوال غالب آ گیا۔

یہ ایسی تیس سال کے معیاری دور کا کرشمہ تھا کہ اس کی پیدا کردہ اخلاقی قوت ملت اسلامیہ کو کئی صدیوں تک ترقی کی راہ پر دوڑاتی چلی گئی اور تاریخ میں سے ان کو ایک لمبا دور اقبال عطا کیا گیا۔ اس تیس سال کی پیدا کردہ قوت جب گھٹنے لگی اور اس کی کمی کو پورا کرنے کا کوئی اہتمام نہ کیا گیا تو مسلمانوں کے تمدن کی گاڑی پہلے سے رفتار ہوئی، پھر دھیمی ہونے ہوتے بالکل رک گئی۔

اس ہزار سال کے دور کو لوگ جب ”صرف تیس سال“ کے الفاظ میں سمیٹ کر سامنے لاتے ہیں تو ناواقف آدمی کو بڑی مایوسی ہوتی ہے۔

چہارم :-

اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس کے علمبرداروں نے نبی صلعم کی قیادت میں جب اسے بحیثیت نظام کے قائم کر دیا تو چاہے وہ بقول معترضین صرف تیس سال چلا ہو۔ — بہر حال اپنی پوری معیاری شان کے ساتھ چلا نبی صلعم اور آپ کے صحابہ اور مسلمان عوام سب کے سب اس بات پر پوری طرح مطمئن تھے کہ جو کام

ان کو کرنا تھا اسے کما حقہ انجام دے دیا اور ان کو نہ کوئی معذرت کرنی پڑی، نہ کوئی حسرت لے کر وہ رخصت ہوئے۔
انہیں جیسی زندگی مطلوب تھی، اسے عملاً سو فی صدی معیار پر قائم کیے دکھا دیا۔

لیکن آج جن نظاموں سے مرعوب ہو کر لوگ ”صرف تیس سال“ کا سوال اٹھاتے ہیں، انہوں نے بھی اس پر غور نہیں کیا کہ یہ جمہوریت اور ریاستہائے کثرت تو اپنے معیارِ مطلوب کے مطابق اب تک زمین کے اوپر ایک لمحے کے لئے بھی قائم نہیں ہوئیں۔

جمہوریت کے تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ معیاری جمہوریت ابھی تک کتابی اصولوں میں تو پائی جاتی ہے، سطحِ ارض پر نافذ نہیں ہے۔ برنارڈ شا کے الفاظ میں ابھی یہ شکل یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسانیت کے لئے تڑکے کا وقت آیا ہے (POCKET HISTORY OF THE WORLD) ہنڈرک دان لون اپنی تاریخِ عالم کے آخر میں کیا خوب کہتا ہے کہ ”لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ ابھی ہم درجنوں غلط پگنڈیوں کو اختیار کریں گے، تب کہیں جا کر شاید صحیح سمت سفر پاسکیں۔“

مارکسزم کے متعلق بھی یہ بالکل واضح ہے۔ اس کے مؤئین خود کہتے ہیں کہ ابھی ہم ایک جمہوری دور (TRANSITIONAL PERIOD) میں سے گزر رہے ہیں۔ معیاری حالتِ جوان کے پیشِ نظر ہے اس میں پینچنے کے بعد ایک تو ریاست کا وجود ختم ہو جائے گا جسے آج ایک ناگزیر برائی (NECESSARY EVIL) کی حیثیت سے اختیار کیا گیا ہے، اور دوسری تبدیلی یہ آئے گی کہ ٹھنڈی صرف اپنی قوت و صلاحیت کے مطابق کام کرے گا اور اپنی ضروریات کے مطابق بدلے گا۔ اس معیاری حالت اور آج کی حالت کے درمیان نہ معلوم کتنی صدیوں کا وقفہ حائل ہے۔ اصل سُرخ جنت مستقبل کے بہت ہی بعید گوشوں میں مستور ہے۔

پس جن نظاموں سے آج ہمیں سابقہ ہے، ان میں سے کوئی بھی اپنی معیاری شکل میں ابھی ایک منٹ سے لئے بھی برپا نہیں ہوا بلکہ ان کے علمبردار بھی ادھ کچرے نظام لئے چل رہے ہیں۔ بخلاف ان کے اسلام اگر اپنے علمبرداروں کو ایک بہتر مستقبل کی تعمیر کے لئے ہلاتا ہے تو انہیں ماضی میں اپنے پیش کردہ نظام کو تیس سال تک معیاری شکل میں چاتا ہوا دکھاتا ہے۔ کوئی اور نظام ایسا ہے جو تیس سال نہ سہی، صرف ایک ہی سال کے لئے اپنے اصولوں کا صدیقی صد عملی نفاذ تاریخِ انسانی میں دکھا دے۔

پنجم :-

دنیا میں اسلام کے سوا اور کوئی نظام ایسا نہیں ہے جو ایک مرتبہ مٹ جائے تو اس کے احیاء کا جذبہ ہم میں برقرار رہے، یا اس میں اصولی تبدیلیاں پیدا کر دی جائیں تو ان تبدیلیوں کے خلاف جدوجہد کر کے بنیادی اصولوں کو دوبارہ تازہ کرنے کی فکر کی جائے۔

جن ملکوں میں پاپائیت تھی، وہ جب مٹ گئی تو کوئی نہ تھا جو اس کے احیاء کا خواہشمند ہو۔ جاگیردارانہ نظام جہاں جہاں شاوہاں پھراس کی تجدید کرنے کے لئے کبھی کوئی تحریک نہ اٹھی۔ سرمایہ داری مٹتی ہے تو کوئی اس کے تین مردہ میں دوبارہ جان ڈالنے کے لئے کوشش نہیں کرتا، بلکہ غیر اسلامی نظاموں کے علمبردار اپنے ماضی کو کراہیت سے دیکھتے ہیں اور اپنی سابق کارگزاریوں کے لئے معذرتیں پیش کرتے ہیں۔ بخلا اس کے اسلامی نظام کے علمبرداروں کے لئے ان کا ماضی قابل فخر اور زندگی بخش رہا ہے اور وہ اسی ماضی کے احیاء کو مستقبل کی فلاح و بہبود کے لئے ہمیشہ پسند کرتے رہے ہیں۔ دورِ حق "تیس سال" تک محدود ہے، لیکن بہر حال وہ ایسا مقدس دور ہے کہ اس میں کسی کو کوئی شرمناک چیز نہیں ملتی، اس دور کے کسی واقعہ پر معذرت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی، اور ہم اس دور کے واقعات کو نہ تو "سبق آموز غلطیاں" قرار دیتے ہیں، نہ ان غلطیوں سے بچنے کا نام ترقی رکھتے ہیں۔

جمہوری ممالک میں نظام زندگی متغیر ہے، لیکن لوگ اسے ترقی قرار دیتے ہیں اور پچھلے طریقوں کو نادانی کے تجربات سمجھتے ہیں۔ "ماضی" کو بدلنے کی سعی تو ہوتی ہے لیکن "سابق" کے احیاء کے لئے جدوجہد کرنے کی رجحان پسندانہ حرکت کوئی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح خود کمبوزم کے نظام میں اس سے بہت بڑی تبدیلیاں واقع ہوتی جلی آ رہی ہیں جیسی تبدیلی اسلامی نظام میں امیر معاویہ کے دور میں واقع ہوئی تھی۔ بلاشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ لبنان اور رٹرائسکی کا اختلاف اس اختلاف سے کم زور اور نہ تھا جو اسلامی تاریخ میں امیر معاویہ کے طرز عمل سے امام حسین کو ہوا تھا جس طرح ہمارے ہاں تاریخ کی رواں امام حسین کو شہید کر نی ہوئی آگے نکل گئی، اسی طرح روس میں اشتراکی تاریخ کی موجود نے رٹرائسکی کو اٹھانے کے ایک خنزیر پرے کی طرح پرے پھینک دیا۔ وہاں بھی نظام میں اصولاً تغیر آتا تھا، اور یہاں بھی آیا، لیکن دونوں طرف ایک جیسے واقعات کے لئے احساسات

مختلف ہیں۔ واقعہ کہ بلا کے ظہور پر ہماری تاریخ نے جو موڑ مڑا تھا ہم اس کو غلط کہتے ہیں لیکن ردی تاریخ نے جو موڑ مڑا تھا اس تاریخ کے بنانے والے اُس کو ترقی کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ ورنہ اگر اصل واقعات کو دیکھا جائے تو یقیناً جس نظام کو قائم کرنے چاہتا اسے قائم کرتے ہوئے اسے متعدد اصولوں کو بدلنا پڑا، اور پھر شاہین نے اسے اور سب کر دیا۔ یقیناً نے کو لکس کی بغاوت کا سامنا کرتے ہوئے ایک نئی زرعی پالیسی اختیار کی، پھر انٹر نیشنلزم سے نیشنلزم کی طرف ساری پالیسی کو پیا ہونا پڑا، پھر مذہب دشمنی میں نرمی پیدا کرنی پڑی، پھر انفرادی ملاک کے ہارے میں ابتدائی اصولوں میں خاصی تحریف کی گئی، پھر مغربی امپیریلزم کے جواب میں امپیریلزم کے کٹر دشمن بن کے اٹھنے والوں کو خود امپیریلزم کا علم اٹھانا پڑا۔ یہ ساری ”بدعات“ واقع ہوئیں لیکن یہ ترقی کی شاہراہ کے لئے سنگ میل قرار پائیں۔

بخلاف اس کے اسلام کے معیاری نظام میں اس طرح کی جو تبدیلیاں کی گئیں، ان کے خلاف مسلمانوں میں نفرت نمودار ہوتی رہی، صلحا و ان کے خلاف ذہنوں کو تیار کرتے رہے، اُن پر بند گانِ حق نے احتجاج کرنے کا حق ادا کیا، اور جہاں کسی اصلاح پسند کو موقع ملا، اس نے اصل معیاری نظام کے اصولوں کو از سر نو برپا کرنے کی جدوجہد کی۔ ایسی جدوجہد کی بہت سی مثالیں علمی و فکری تاریخ میں بھی موجود ہیں اور سیاسی تاریخ میں بھی۔ معیاری نظام کے احیاء کی کامیاب ترین مثال حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں ملتی ہے، لیکن آپ کے علاوہ بہت سے ایسے اکابر کے کارنامے بھی ناقابلِ فراموش ہیں جو اگر کُل کے کُل نظام کا احیاء نہ کر سکے تو کم سے کم اس کے جن اجزاء کی تجدید کرنا ان کے بس میں تھا، ان کو انہوں نے دوبارہ قائم کیا۔ تجدید و احیاء کی یہ اسپرٹ ملت اسلامیہ میں بدستور کام کر رہی ہے اور اسی اسپرٹ کے زندہ ہونے کی وجہ سے ہم نظام اسلامی کی قدروں سے وابستہ ہیں اور ان کو زندگی میں عملاً کار فرما دیکھنا چاہتے ہیں۔

ششم:-

ایک پاکیزہ سوسائٹی، ایک صالح نظام حکومت اور ایک بااخلاق تہذیب و معاشرت اگر چند روز کے لئے بھی صفحہ ہستی پر جلوہ افروز ہو تو وہ اپنے سرٹ جانے سے پہلے انسانی تاریخ پر گہرا اثر ڈال جاتی ہے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آج اگر پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہو۔۔۔۔۔ اور بالفرض وہ تیس ہی سال

چل کر ختم ہو جائے۔۔۔۔۔ تو بس وہ ایک حرف غلط کی طرح مٹ جائے گی اور تاریک انسانی اور انسانیت کے فوئی ذہن و اخلاق پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے گا؛ اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو پھر آپ تمدن انسانی کے نوامیس سے قطع نظر کر کے سوچتے ہیں۔ دن چلے ہی چھوٹا ہو جائے، اور چھوٹے سے چھوٹے دن کو آفتاب کے سامنے کتنے ہی لگے ہائے ابر چھائے رہیں، لیکن سورج کے طلوع کے چند فطری اثرات جمادات، نباتات اور حیوانات پر لازماً پڑتے ہیں، یہاں تک کہ بعد میں لمبی رات کی تاریکی اور ٹھنڈک بھی اگر آکے مستط ہوتی ہے تو بھی وہ دنیا سے سورج کے طبعی اثرات کا خاتمہ نہیں کر سکتی۔ بالکل اسی طرح نظام حق کا ظہور چاہے کتنے ہی قلیل وقت کے لئے ہو، اور بعض وجوہ سے چلے ہی ناقص ہی کیوں نہ رہ جائے، پھر بھی اس کے اثرات انسانی زندگی پر پڑنے ہیں۔۔۔۔۔ اولان اثرات کو بعد میں تسلط باطل بھی پوری طرح ملبا میٹ نہیں کر سکتا۔

آپ نیکی اور حق کے اجتماعی نظام کو الگ رکھ کر حق اور نیکی کے سپاہیوں کے انفرادی کارناموں پر نگاہ ڈالئے تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ فرزند ان انسانیت کے اچھے کارنامے ہی وہ نور ہیں جن سے ہمارا ایوان تاریک و روشن ہے۔ انہی کارناموں کے چراغ جلا کر ہم عظیم انسانی مہتموں کو سر کرنے کے لئے نکلتے ہیں، انہی کارناموں سے ہمارے ادبیات کی رگوں میں گرم گرم جذبات کا خون رواں دواں ہے، انہی کارناموں سے ہمارے افکار غذا حاصل کرتے ہیں، انہی سے ہماری انقلابی تحریکیں سرگرمی اخذ کرتی ہیں اور انہی سے ہم آج بھی خیر کا سبق لیتے ہیں۔

مثال کے طور پر آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے زہین کارناموں کو سامنے رکھیے اور سوچئے کہ کیا ان ہی خواہان انسانیت کی خدمات حق نیا نیا ہو گئی ہیں اور تاریخ پر ان کا کوئی اثر باقی نہیں ہے؟۔۔۔۔۔ ایسا نہیں ہے۔ حق اور نیکی کی راہ میں جینا تو جینا ہے، اس راہ میں مرنا حالیم انسانی کے لئے ہزار در ہزار زندگیاں پیشکش کرتا ہے جس پاکیزہ مقصد کے لئے ایک مرتبہ کوئی انسانی جان جینٹ چڑھتی ہے، اس کی قیمت پہلے سے بڑھ جاتی ہے، اور اس کے فداکاری دکھانے والے عشاق پہلے سے زیادہ جوش اور ولولے کے ساتھ میدان میں آنے لگتے ہیں۔ ایک وقت میں نیکی کے لئے قربانی کا جو نیک بویا جاتا ہے، وہ پھر بار بار چھوٹا رہتا ہے۔ ہر انسانی ایثار جو حق کے لئے خاص ہو، ایک ایسا نقص ہوتا ہے جو بار بار اپنی راکھ سے پیدا ہوتا رہتا ہے اور اپنے نغمہ آئینوں سے فضا کو گرم کرتا رہتا ہے۔

جب انفرادی کارناموں کا اثر اتنا دور رس ہو تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نظام حق کے ظہور کا اثر کہاں تک پہنچا ہوگا۔ چنانچہ عرب میں جو اسلامی نظام تہذیب و سیاست برپا ہوا تھا، اس نے اپنے حلقہ اثر میں آنے والوں پر بعض ایسے فکری و اخلاقی اثرات ڈالے ہیں جو نسلاً بعد نسل آج تک کسی نہ کسی درجے میں برقرار ہیں۔ دوسری طرف اس نے اپنے مخالفین تک کے تہذیب و تمدن کا رخ بدل کے رکھ دیا۔ جن لوگوں کو علم و تحقیق سے کچھ بھی دلچسپی ہے وہ جانتے ہیں کہ مغرب میں نشاۃ ثانیہ (RENAISSANCE) کا ظہور جس نے فکری آزادی کے دور کا یورپ میں افتتاح کیا براہ راست اسلام کے اثرات کا ردِ عمل تھا۔ اسی طرح مغربی اقوام کو فکری اور طبعی علوم کے خزانوں کی ماری کھجیاں بھی ان عربوں سے ہاتھ آئیں جو اسلام کے علمبردار تھے۔ پھر مغرب کی سیاسی فکر کے ارتقاء پر اور اس کے تاریخی پس منظر پر اگر آپ گہری نگاہ ڈالیں تو آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ موجودہ جمہوری نظام سیاست بھی ملت اسلامیہ کی مخصوص فکر کا ایک بالواسطہ نتیجہ ہے۔ افلاطون کی نظری جمہوریت درحقیقت مغربی جمہوریت کو ظہور میں لانے کی محرک نہیں ہوئی بلکہ جمہوریت کی عملی روح یورپ نے عربوں سے لی اور اسے مادہ پرستی کے قالب میں لاکر برسرِ عمل کیا۔ یہ اخوت اور مساوات اور عدل وغیرہ کے جو تصورات موجودہ دور میں ابھر رہے ہیں، یہ دراصل اسلام ہی کے فکری عطیات کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ اسی طرح مغربی فلسفہ جو بدقسمتی سے خدا پرستی کے بجائے الحاد کی راہ پر چل نکلا اس کے اندر اسلامی فلسفہ کے بے شمار اثرات گندھے ہوئے ہیں، اور آج غلط افکار سے ترکیب پاکر وہ اتنے مسخ ہو گئے ہیں کہ ان کو پہچاننے میں دقت ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس قانون اور بین الاقوامی مسائل میں جدید دنیا نے اسلام سے بہت کچھ مستعار لیا ہے۔ یہی حال ادبیات کا ہے۔ اگر اسلامی نظام تیس سال کے لئے برپا نہ ہوا ہوتا تو پھر اس کے یہ سارے نتائج کہاں سے آتے؟ پھر تو دنیا کا نقشہ دوسرا ہوتا۔ فلسفہ، سیاست، قانون، بین الاقوامیات اور مختلف علوم و ادبیات کا طرزِ نشوونما کوئی اور ہوتا۔

پس محض تیس سال کہہ کر نظام حق کی قدر و قیمت گرا کر دکھانے کی جو کوشش کی جاتی ہے، وہ نہایت درجہ لغو کوشش ہے حقیقت یہ ہے کہ نظام حق اگر ایک دن کے لئے بھی برپا ہو سکے۔ اور پورا نہیں، آدھا ہونا ہی بپا ہو سکے تو بھی آئندہ چند صدیوں کے لئے دنیا کے علم پر، دنیا کی سیاست پر، دنیا کے ادب پر

دنیا کے قانون پر ایسے مفید اثرات چھوڑ جائے گا کہ ان اثرات کے پیش نظر اسے ایک دن کے لئے بپا کرنے میں اگر ہزاروں جانیں صرف ہو جائیں تو بھی سودا منہنگا نہیں۔ انسانیت کے لئے بجائے خود یہ چیز بہت بڑے درجے کا احسان ہے کہ اس کے سامنے زندگی کا ایک معیاری نقشہ عملاً پیش کر دیا جائے اور اگر یہ نقشہ زیادہ دیر کے لئے قائم نہ رکھا جاسکے تو اس کی ایک جھلک دکھا دینا بھی انتہائی خیر کا وسیلہ ہو سکتا ہے۔ آج آپ دیکھتے ہیں کہ ادب میں خیالی نقشے (UTOPIA) پیش کر کے انسان کو فکری و اخلاقی ارتقاء کے لئے مصنوعی طور پر تحریک دلائی جاتی ہے، لیکن اگر خیالی نقشوں کو پیش کرنے کے بجائے ایسا ہو کہ ایک واقعی منظر ساری دنیا کو دکھایا جاسکے تو وہ ارتقاء کی تحریک دلانے میں کتنا مؤثر ہو سکتا ہے۔

وہ نظام حق جس کی تحقیر کرنے کے لئے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ ”صرف تیس سال“ چلاتا، کبھی انہوں نے ٹھنڈے دل سے اس کی نوعیت اور اس کے معیار پر بھی غور کیا ہے؟ اس نظام نے ہر لحاظ سے جو حیرت انگیز معجزے دکھائے ہیں، کیا کبھی اس کا مذاق اڑانے والوں نے ان معجزوں کی لامتناہیت کا بھی اندازہ کیا؟ یہ ایسا نظام تھا۔

جو ایک غیر خونی انقلاب کے ذریعے بپا ہوا۔ پورے عرب میں اس کے قیام کے لئے چند ہزار سے زیادہ جانیں صرف نہیں ہوئیں۔

جو سی، آئی، ڈی قانونی حکم، تشدد اور سازش کاریوں کے بغیر چلا ہے۔ جس نے بے شمار انسانوں کی زندگیوں کا پورا نقشہ یکسر پلٹ کے دکھا دیا، ان کو جاہل سے عالم بلکہ مستم، ان کو بے اخلاق سے بااخلاق بلکہ نگران اخلاق، ان کو فتنہ انگیزوں سے امن پسند بلکہ نگہبانی امن و امان کو بے نظم سے منظم بلکہ باہرین تنظیم بنا دیا۔

جس کے تحت جرائم کا اوسط اتنا کم رہا ہے کہ آج کی مہذب کہلانے والی اقوام میں سے کوئی اپنے جرائم کی تعداد اتنی گشتا نہیں سکی۔

جس کی عدالتوں میں گنتی کے مقدمات پیش ہوئے۔

جس کے حکمرانوں کا معیار زندگی ہر لحاظ سے عوام کے برابر رہا۔

جس کے علمبرداروں نے قلتِ تعداد اور بے سرو سامانی میں بھی بڑی سے بڑی طاقتوں سے ٹکرائے کر ان کا زور توڑ کر رکھ دیا۔

جس کی فوجوں نے میدانِ جنگ میں شہوں اخلاق کا مظاہرہ کیا اور اپنے دشمنوں پر بھی احسانات کئے۔ جس نے عوام کی فلاح و بہبود کا پورا پورا حق ادا کیا۔

جس نے اپنے اصولوں کے بارے میں کسی سودا بازی (COMPROMISE) کی روش اختیار نہیں کی۔ جس نے جماعت کی فکری وحدت کو ایسی مستحکم بنیادوں پر اٹھایا کہ کوئی عصبيت اسے توڑ سکی، نہ سیاسی تفرقہ نمودار ہوا۔

جس کے خلاف نیچے سے کوئی ردِ عملی (RE-ACTIONARY) انقلابی تحریک نہیں بپا ہوئی۔

اور جس میں روزمرہ کی زندگی اعلیٰ انسانی اخلاق کے مظاہر سے لبریز تھی، اور گھٹیا اخلاق کے نمونے ناپید تھے۔ یہ معیاری نظام جس کی کوئی مثال کسی غیر اسلامی فکر کے علمبرداروں کی طرف سے آج تک سامنے نہیں آ سکی، اگر تیس سال تک چلا تو آخر اس سے زیادہ اور کیا چاہیے۔ نوعِ انسانی کے سامنے زندگی کا ایک معیاری نمونہ اتنی دیر تک رکھا گیا کہ وہ اسے ہر پہلو سے خوب اچھی طرح دیکھ لے، اور پھر اس کی نقل اتارنے کے لئے جدوجہد کرتی رہے۔ بجائے اس کے کہ کوئی خیالی نقشہ (UTOPIA) ہمارے سامنے ہو، آج ماضی ایک ”امرو واقعہ“ کو ہمارے سامنے لئے کھڑا ہے اور ہم ایک روشن مستقبل کی تعمیر اسے سامنے رکھ کر کر سکتے ہیں۔

بالفرض اگر دوبارہ یہی صورت پیش آئے کہ اس طرح کا صالح نظام صرف تیس ہی سال کے لئے رونما ہو تو اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ انسانیت کی فلاح کی منزلی آئندہ نسلوں کی نگاہوں میں تازہ ہو جائے گی۔ ایک لمبی رات سے پہلے اگر ایک چھوٹا دن بھی دنیا کو نصیب ہو جائے تو آفتابِ حق کے طلوع کی برکات دن گزر جانے کے بعد بھی برابر محسوس کی جاسکیں گی۔

ان تصریحات کو ایک طرف رکھ کر خوب سوچئے کہ کسی اصول و نظام کے قبول یا رد کرنے کے بارے میں ایک سلیم بطبع آدمی کا طرزِ فکر کیا ہونا چاہیے!

صحیح نقطہ نظر

آپ صفا کی کے اصول کو ہر لحاظ سے پرکھ کر حق پاتے ہیں، لیکن فرض کیجئے کہ آپ ایک ایسا ماحول میں رہتے

ہیں جو سخت گندہ ماحول ہے۔ آپ کی سوسائٹی کا ہر شخص گندگی پھیلانے میں سرگرم اور سوسائٹی ایک نظام خلافت جلاہی ہے۔ فرض کیجئے آپ اپنے ماحول کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں اور اس سے آپ کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ماحول پر آج سے پچاس سال پہلے صرف ایک ہفتہ ایسا آیا تھا جبکہ یہاں ہر طرف صفائی ستھرائی تھی، ہوا میں نقص نہ تھا، کمر پہ نہ مٹا نظر نہ تھے، بیماریاں نہ تھیں، بلکہ پاکیزگی کا دور دورہ تھا، لیکن یہ حالت تھوڑے دنوں کو ختم ہو گئی اور پھر کبھی پیدا نہ ہو سکی۔ یا آپ کو تاریخ میں ایک دن بھی ایسا نہیں ملتا۔ اب آپ کا رویہ کیا ہوگا؟

کیا محض اس وجہ سے کہ سابق تاریخ میں صفائی کا دور بڑا مختصر سا گزرا تھا، یا سرے سے کوئی دور ایسا آیا ہی نہ تھا، اور چونکہ آج تمام لوگ خلافت پسند ہیں اور بظاہر پابنداری نظام خلافت ہی میں محسوس ہوتی ہے آپ اپنے بارے میں یہ فیصلہ کریں گے کہ آپ کو بھی خلافت پسند اور نظام خلافت کا سچا خادم بن جانا چاہیے؟ — نہیں اگر آپ کے اندر خودی زندہ ہوگی تو آپ یوں سوچیں گے کہ خلافت بہر حال انسانیت کے لئے مصلحت اور صفائی کا اصول و نظام اس کے لئے برحق اور مفید ہے، اس لئے میرا فرض یہ ہے کہ نظام خلافت کے خلاف لڑنے اور اصول صفائی کو عملاً قائم کرنے کے لئے سر دھڑکی بازی لگا دوں۔ آپ اصول پسندوں کی طرح سوچیں گے کہ اصول صفائی کے تحت گزرنے والا ایک ہی دن اگر پوری زندگی کی جدوجہد کے مساوی فیصلہ حاصل ہو تو بھی یہ خلافت کے نظام کے تحت سو سال جینے سے زیادہ قیمتی ہوگا۔ بلکہ آپ یہ عزم لے کے اٹھیں گے کہ صفائی کا نظام قائم کرنے کے لئے خلافت سے لڑتے ہوئے اگر ساری زندگی ختم ہو جائے — اور عملاً اس مہم میں ایک منٹ کے لئے بھی کامیابی حاصل نہ ہو تو بھی با اصول آدمی کا طرز عمل یہی ہو سکتا ہے۔ اور جو لوگ اس ایمان اور اس طرز فکر کے ساتھ اٹھتے ہیں، بازی انہی کے ہاتھ ہوتی ہے۔

بالکل اسی طرح اسلام کے اصول اور نظام کو معقول طریق سے جانچئے، اس کے برحق ہونے پر غور کیجئے، اس کے افادی نتائج کا اندازہ کیجئے، پھر اگر آپ یہ یقین ہو جائے کہ یہی اصول و نظام حق ہے، یہی مطابق فطرت ہے، یہی مفید انسانیت ہے تو اس کے بعد آپ کا طرز عمل اس کے سوا کچھ اور ہونا ہی نہ چاہیے کہ آپ اپنی پوری قوتیں اس اصول و نظام کو برپا کرنے کے لئے سر نہ کریں۔ اگر آپ کی کوششوں سے اسلام دوبارہ تیس ہی سال چلے گا تو بھی اس تیس سال کے عرصے میں وہ خیر و برکت کے اتنے تحائف دنیا کو دے کہ رخصت ہو گا کہ

اس میں بگاڑ کے دوبارہ آنے میں ایک لمبی مدت صرف ہوگی۔

یہ جو ضرب المثل ہے کہ نوٹری کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی زیادہ اچھی ہوتی ہے، اس کو اگر آپ یوں بدل لیں تو اچھا ہو کہ نظام حق کے تحت ایک دن جینا، نظام باطل کے تحت ہزار سال جینے سے زیادہ بہتر ہے بلکہ آپ اس سے بھی آگے بڑھیں اور یہ نظریہ سامنے رکھیں کہ غیر اسلامی نظام کے تحت امن چین سے پڑے رہنے سے وہ موت اچھی جو اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد میں نصیب ہو!



مسئلہ ملکیت زمین

+ زمین کی شخصی ملکیت از روئے قرآن

+ زمین کی شخصی ملکیت از روئے حدیث

+ فزارعت کا مسئلہ

+ اصلاح کے حدود اور طریقہ



سید ابوالاعلیٰ مودودی

قیمت ایک روپیہ

ملنے کا پتہ

مکتبہ جماعت اسلامی

چمپرہ، لاہور (پاکستان)